

# سیرت رسولؐ اور ڈاکٹر طہ حسین

رشید احمد جالندھری

طہ حسین نے ۱۹۳۳ء میں سیرت رسولؐ پر علیٰ حامش السیرۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی اور پیش لفظ میں یہ کہا کہ یہ کتاب مؤرخین یا اسکالرز کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ انہوں نے سیرت رسولؐ پر پڑھتے وقت جو تاثرات لئے، وہ خود کاغذ پر منتقل ہونے کے لئے بے تاب ہو گئے کیونکہ ٹیہری روح (سیرت پڑھتے وقت، محبت سے) معمور ہو گئی، پیمانہ دل چمک اٹھا، میری زبان گویا ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ بے اختیار ان صفحات کو رقم کر رہا ہوں۔ طہ حسین کے ساتھ بھی وہی بات ہوئی جو آج سے بہت پہلے عزالدین مقدسی کے ساتھ پیش آئی تھی، مقدسی نے بے اختیار ہر کہہ کہا تھا:

”میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو محبت کے راز کو فاش کر دیتے ہیں، مگر ہوا یوں کہ محبت کی دلہنیں میرے دل میں رقص کرنے لگیں جس سے میرا دل جگمگا اٹھا اور راز، راز نہ رہا۔“ طہ حسین نے پیش لفظ میں مزید کہا کہ آج کلاسیکی ادب سے جو اپنا ایک فطری حسن رکھتا ہے، لوگوں کا تعلق نہیں رہا میں تارین کو اس ادب سے آشنا کرانا چاہتا ہوں۔ کلاسیکی ادب کو اس لئے ترک کر دینا کہ وہ ایک پرانی چیز ہے اور جدید کو اس لئے اختیار کرنا کہ وہ ایک نئی شے ہے، ایک مہمل دلیل ہے، تہذیب کو صرف اس وقت چھوڑا جاسکتا ہے جب وہ ہر قسم کے فائدے سے خالی ہو، لیکن اگر وہ مفید اور نفع مند ہو تو پھر جدید کی بہ نسبت کسی طرح بھی کم اہمیت کا مالک نہیں ہے۔

طہ حسین تقلید سے نفرت کرتے ہیں، لیکن کلاسیکی ادب کے مذاج ہیں، مزید یہ کہ وہ سیرت رسولؐ پر قدما کی تحریروں کو کلاسیکی ادب کا حصہ شمار کرتے ہیں جس سے وہ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے ان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔ طہ حسین کی کتاب کا ماخذ سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں ضعیف اور کمزور

وما کنتم ممن ینظہر السیرا منا : عروس ہوا صافی ضمیری تجلت

فألقت علی ستری أشعة نورها : فلاح لجلالہ خفا یا طویحی۔

نا امیدی اور پھر آمنہ کے بچے کو لینے پر اصرار اور بستی میں بچے کی نشوونما اور حلیمہؓ کے گھر کی آبادی، ان سب واقعات کو بیان کرنے کے بعد طلحہ حسین نے لکھا کہ میں کسی ایسے بچے کو نہیں جانتا جو اس بچے کی طرح بچپن کی زندگی سے اس قدر متاثر ہوا اور اس نے زندگی بھر بچپن سے ملنے والی یادوں کو محفوظ رکھا ہو۔ جن لوگوں نے اس کے ساتھ حبسلائی کی اور اچھا سلوک کیا، ان کے ساتھ اس بچے نے برابر وفا کی۔ جو ہمیں اسے احسان اور حبسلائی کے جواب میں اچھا سلوک کرنے کی ہمت ہوئی تو اس نے حسن سلوک کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کا کردار لوگوں کے اندر ضرب المثل بن گیا اور دلوں میں عجیب و غریب اثر چھوڑا۔ ابولہب کی ثوبیہ نامی ایک باندی نے حلیمہؓ سے پہلے انہیں چند دن دودھ پلایا تھا۔ جب آپ کو اس چیز کا پتہ چلا تو آپ نے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھا اور اپنی بیوی خدیجہؓ سے کہا کہ وہ ابولہب سے اس باندی کو خرید کر آزاد کر دیں، لیکن ابولہب نہ مانا، لیکن اس کے باوجود آپ جب تک مکہ میں رہے آپ نے ثوبیہ کو اپنے کرم سے نازنا اور جب مدینہ تشریف لے گئے تو بھی اپنی ماں کو نہ بھولے۔ وقتاً فوقتاً آپ اس کے لئے کپڑوں اور دوسری چیزوں کا تحفہ بھیجتے رہے جب خیبر سے واپس ہوئے تو آپ سے کہا گیا کہ ثوبیہ رحلت کر گئی ہیں، آپ نے ان کے عزیز کے بارے میں پوچھا تاکہ اب اسے اپنے لطف سے نوازیں، پتہ چلا کہ ثوبیہ نے اپنے پیچھے کسی کو نہیں چھوڑا۔

بستی والوں کی زندگی مشکلات سے گھری ہوتی ہے۔ حلیمہؓ ایک دفعہ مکہ میں آئیں اور اپنے بیٹے سے زندگی کا بلو جھرلکا کرنے کے لئے امداد مانگی، آپ نے خدیجہؓ سے کہا تو انہوں نے حلیمہؓ کو ایک اونٹ اور چالیس بکریاں عطا کیں۔ پھر دوسری بار آئیں تو آپ نے دیکھتے ہی ماں! ماں! کہہ کر لپکا ما اور اپنی چادر ان کے لئے بچھادی۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ تمام عرب آپ کے سامنے سر ٹوکی ہوئے جنگ حنین میں خدانے آپ کو قبیلہ ہوازن پر فتح دی اور مال غنیمت میں جو کچھ ملا اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ دوسری صبح ہوازن کا ایک وفد آپ کے پاس آیا اس نے کہا کہ آپ نے ہمارے قبیلے میں دودھ پیا ہے ہم نے آپ کو ایک نفیس بچے اور پاکیزہ نوجوان کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ آپ کا خاندان ہم ہیں۔ خدانے اگر آپ پر احسان کیا ہے تو آپ ہم پر احسان کریں۔ آپ نے اس قبیلے کے تمام آدمیوں کو اور مال و دولت کو جسے آپس میں تقسیم کیا گیا تھا، واپس لٹا دیا۔ اس یتیم بچے نے جسے آگے چل کر انسانی تاریخ نے اولوالعزم

بہر زور عبدالمطلب دنیا سے رخصت ہو گئے ایک وقت تک ان کی یاد لوگوں کے دلوں میں باقی رہی اور پھر آہستہ آہستہ زندگی کے ہنگاموں میں تحلیل ہوتی گئی یہاں اس واقعہ کا ذکر دلچسپی سے غالی نہ ہوگا ۱۹۶۴ء میں جب مسٹر جے چل فوت ہوئے تو ان کے جنازے پر جو انتظامات کئے گئے، ان انتظامات کی ترتیب خود چرچر چل نے اپنی زندگی میں دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کا جنازہ دھوم سے اُٹھے گا اس لئے اس نے خود ہدایات دیں کہ گھانے کی کونسی دھن گائی جائے، لندن کے کن بازاروں سے ان کا جنازہ گزرسے اور فوج کے کون کون سے دستے ساتھ ہوں۔ عجیب بات ہے کہ جب ۱۹۵۲ء میں چرچر چل بادشاہ کے جنازہ میں جا رہا تھا، تو ایک مقام پر انتظامات کی ہلکی سی کوتاہی پر اس نے انتظامات کے سربراہ سے کہا کہ یہ حرکت میرے جنازے کے ساتھ نہ کرنا۔ عبدالمطلب کو خود اپنی عظمت کا احساس تھا۔ اس لئے اس نے اپنا مرثیہ خود سننے کی تمنا ظاہر کی۔

جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ کتاب کی پہلی جلد میں عبدالمطلب بہرہ کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں، چنانچہ طلحہ حسین نے عبدالمطلب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی تصویر کھینچ کر قارئین کو یہ تاثر دیا کہ ایک مکمل اور خوبصورت شخصیت کسے کہتے ہیں۔ اس کے بعد طلحہ حسین نے ایک دوسرا باب رسول کریمؐ کے بچپن، جو اس پوری کتاب کے اصل بہرہ ہیں، کے بارے میں لکھا کہ کس طرح دیہات کی عورتیں مکہ میں آئیں تاکہ رواج کے مطابق مالدار بچوں کو تربیت کے لئے اپنی بستی میں لے جائیں۔ جب یہ عورتیں مکہ کے مالدار گھرانوں کے بچوں کو لے کر چلی گئیں تو ان میں سے ایک حلیمہ نامی خاتون کو کوئی بچہ نہ ملا اور اس ڈر سے کہ اسے غالی ہاتھ واپس اپنے گاؤں جانا پڑے گا مجبوراً آسمان کے گھر آئیں اور اس تیمم بچے کے لئے مطالبہ کیا، شروع میں بچے کی مال نے ان دیہاتی عورتوں کے رویے کو دیکھ کر اپنا بچہ دینے سے انکار کیا لیکن حلیمہ کے مخلصانہ اصرار اور حلیمہ سے بچے کے افس کو دیکھ کر اپنا بچہ دینے کے لئے تیار ہو گئیں۔ جب حلیمہ اپنے خاوند کے ساتھ اسی بچے کو لے کر واپس اپنے گاؤں آئیں تو میاں بیوی نے محسوس کیا کہ ان کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ ان کی صبح اور شام نئے انداز سے طلوع ہو رہی ہے اور ان کی اقتصادی اور اجتماعی زندگی میں بہتری کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس تیمم بچے کے طفیل تھا جس کو شروع میں لینے سے وہ چھپکچھا ہٹ محسوس کر رہے تھے۔ مکہ میں دیہاتی عورتوں کی آمد، حلیمہ کی

پھر اسے خیال آیا کہ کس طرح یتیم پوتے کی ولادت نے بیٹے کے غم کو ہلکا کیا وہ اپنے پوتے کو محمد یا احمد کے نام سے نہیں پکارتا تھا، بلکہ میرے بیٹے کے نام سے پکارا کرتا تھا، وہ کہا کرتا تھا: جابدا بنی و ذہب ابنی، میرا بیٹا آگیا، میرا بیٹا چلا گیا، اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس کا بیٹا (پوتا) ایک نہایت دن بہت بڑے مقام پر پہنچنے والا ہے۔ پھر یہ تنا بھی اس کے دل میں مچنے لگی کہ کاش اس کی زندگی میں اور اضافہ ہو جائے تاکہ وہ اپنے بیٹے کی عظمت اور شان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے، لیکن زندگی کو تناؤں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا اور موت کی راہ کو زبردستی روکا نہیں جاسکتا۔ وقت نے لوگوں کے ساتھ کوئی ایسا عہد و پیمانہ نہیں باندھا کہ ان کی تناؤں کو ہر قیمت پر پورا کیا جائے۔ کیا عبداللہ کی زندگی نے اس کا ساتھ دیا کہ وہ اپنے یتیم بچے کو دیکھ سکے، بلکہ عبداللہ کو مرتے وقت یقین تھا کہ اس نے اپنے بچے کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ ایسے ہی کیا زندگی نے آمنہ کو مہلت دی کہ وہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہو سکیں؟ اس لئے اگر زندگی کی رفتار کسی کی خاطر نہیں بدلتی تو پھر آج عبدالمطلب کے لئے وہ اپنا رخ کیوں بدلے جس نے کہ اس زمین پر سو سال سے بھی زیادہ مدت بسر کی ہے اور زندگی کی مسرتوں اور حسرتوں دونوں کا مزاج کھسا ہے۔ غرضیکہ عبدالمطلب کے دماغ میں اس کی اپنی زندگی کا ڈرامہ چل رہا تھا دنیا سے عبدالمطلب کے سفر کا نقشہ طلحہ حسین نے یوں کھینچا ہے گویا کہ عبدالمطلب کے دل و دماغ میں دوڑنے والے خیالات پر طلحہ حسین کی نگاہیں شب خون مار رہی ہیں، اور عبدالمطلب کے دل میں مہینے والی واقعات کی ندی میں طلحہ حسین خود تیرتے پھر رہے ہیں۔ طلحہ حسین نے مزید لکھا کہ عبدالمطلب نے خود اپنی بیٹیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ جس طرح خواتین اپنے مردوں پر روتی ہیں اس طرح وہ بھی روتیں کیونکہ وہ اپنی موت پر ہونے والے فوجہ و لبا کو خود سننا چاہتا تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ خود اپنے آپ پر رونے کی ہمت رکھتا تو ایسا کر لیتا۔ چنانچہ اس کی بیٹیوں نے عبدالمطلب کے حواس اور فضا کی کا ذکر کرتے ہوئے رونا شروع کیا اور ان کے دلوں میں عبدالمطلب کی موت سے غم و حزن کی جو لہر اٹھنے والی تھی، اس کی تصویر کھینچی، عبدالمطلب کا بچہ چار پانی کے پیچھے کھڑا ہوا یہ سب چیزیں دیکھ رہا ہے، اور اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس پر خود اس کا اپنا دل بھرا آیا اور اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ پڑے، جنہیں اگر عبدالمطلب دیکھ لیتا تو شاید خوش ہوتا۔

ہے اور وہ پابندی رسوم کو عنانِ ذات کا مقام دیتا ہے، تو پھر مذہب کے نام سے انسانی خون بھی گرایا جاتا ہے، یہی کچھ مین کے حکمران خاندان نے کیا، ایک وقت تھا کہ مین کے بت پرست طاقتور حکمران تبع کو دور راست باز یہودی مذہبی رہنماؤں نے یثرب میں قتل و غارت سے روکا، پھر انہی روحانی رہنماؤں کی دانتائی اور راست بازی کو دیکھ کر یہودی مسلک اختیار کر لیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا لیکن دین کی سچی روح سے عاری تھا اور پھر ایک وقت وہ آیا، کہ خود یہودی مسلک رکھنے والے یعنی حکمرانوں نے یہودیت کے نام پر لوگوں کا خون بہایا۔ بحران کے لوگ ایک خدا رسیدہ راہب کے ہاتھوں نضرائی ہو گئے۔ لیکن جب یہودی حاکم نے ان کو دوبارہ بزور یہودیت میں لانا چاہا تو اہل بحران نے انکار کر دیا۔ اس انکار پر بادشاہ نے اپنی حماقت اور جہالت سے ان لوگوں کو آگ میں زندہ جلادیا۔ یہی واقعہ تھا جس کی بنا پر قیصر روم کے کہنے پر نجاشی نے اپنا نمائندہ ابراہام پور سے سادو سامان کے ساتھ مین بھیجا یا تھا، مگر افسوس کہ جو غلطی مین کے یہودی حکمران سے ہوئی وہی غلطی گورنر ابراہام سے ہوئی جس نے مکہ میں کعبہ کو ڈھانا چاہا لیکن خود برباد ہوا۔ (ص ۶۵-۱۴۶)

ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد طلحہ حسین نے پھر اپنے ہیر و جہد المطلب کی کہانی چھیڑ دی، عبد المطلب کی موت پر تفصیل سے لکھا کہ مرتے وقت عبد المطلب کی نگاہوں میں خود اس کی اپنی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح سامنے آجاتی ہے، اور وہ اس کے ایک ایک ورق کو الٹ رہے ہیں۔ عبد المطلب نے ایک طویل زندگی کے بعد محسوس کیا کہ موت آہستہ آہستہ اس کی طرف آرہی ہے اور اس کا تعلق اب اس دنیا سے ٹوٹ رہا ہے۔ چنانچہ بستر مرگ پر عبد المطلب کے دماغ میں اس کی زندگی کے سارے واقعات ایک ایک کر کے گھومنے لگے۔ عبد المطلب نے مقدونہ پھر لوگوں کے ساتھ جھلائی کی، مختلف ملکوں میں تجارتی سفر کئے۔ مکہ میں اہل و عیال میں قیام رہا، مکہ کی صبح و شام کی پوری داستان اس کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ جس میں عبد المطلب کو لوگوں کی جھلائی کے علاوہ کوئی فکر نہ تھی۔ یہ ساری باتیں اس کے ذہن میں گھومتی رہیں، وہ مشکلات اور مصیبتیں جن سے اسے واسطہ پڑا، بھی اس کی آنکھوں کے سامنے آگئیں۔ لیکن یہ مشکلات کبھی بھی ان کے بلند ارادوں پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ وہ اپنے بیٹے عبد اللہ کے بارے میں بھی سوچتا رہا کہ وہ کس قدر اس سے پیار کرتا تھا اور وہ کس طرح جوان ہوا، شادی ہوئی اور پھر جوانی ہی میں شام کا سفر کیا لیکن واپس گھر آنا نصیب نہ ہوا،

داوا محترم۔ زمزم کی دریاقت، عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی، عبداللہ کی سفر تجارت پر روانگی اور واپسی پر راہ ہی میں وفات، یمن کی مذہبی حالت، رسول کریم کی ولادت مبارکہ، یثیمی اور دیہات میں پرورش، ان مسائل پر اپنے مخصوص انداز میں لکھا۔ پہلی جلد میں عبدالمطلب ایک ہیرو کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ عبدالمطلب کی وجاہت، حکمت و دانائی اور صبر و تحمل، غرضیکہ عبدالمطلب کی شخصیت کے یہ تمام حسین پہلو طہ حسین نے اس خوبی و روانی سے بیان کئے ہیں، کہ آدمی اپنے سامنے عبدالمطلب کو جیتتا جاگتا اور چلتا پھرتا دیکھتا ہے۔ جن لوگوں نے ہمارے پرلے دیہاتی بزرگوں کو دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان پڑھ دیہاتی بزرگوں کے جلو میں حکمت و دانائی کس شان سے چلتی ہے۔ ان کے روشن چہرے پُر نور پیشانیاں، چمکتی آنکھیں اور معصوم مسکراہٹیں، زندگی کے دکھوں پر قابو پانے کا ایسے سبق دیتی ہیں۔ عبدالمطلب کی بلند و بالا شخصیت بھی اسی روپ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ سنگین حالات میں اپنے پر مکمل کنٹرول رکھ کر خود اعتمادی سے بات کرتا اور مخلوق خدا کی خدمت کرنا عبدالمطلب کا خاص وصف ہے۔

طہ حسین نے عبدالمطلب کے خدو خال بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے مکہ کی لاق و دوق جگہ میں زمزم کا چشمہ دریاقت کیا اور یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے اپنے محبوب جوان سال بیٹے کی وفات کو انتہائی صبر اور وقار سے سنا، ہر چند کہ ان کا دل دہل دہل گیا تھا۔ یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے اپنی بیوہ بہو کا ہر طرح سے خیال رکھا اور پھر جب مکہ پر نجاشی کے گورنر ابراہان نے حملہ کیا تو اس سے حملہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا کیونکہ خدا پر مکمل اعتماد اور ذاتی وقار مجروح ہو رہا تھا۔

عبدالمطلب کے بعد طہ حسین نے یمن میں جو قدیم تہذیب کا گوارہ تھا، یہودیت اور نصرانیت پر لکھا کہ انہوں نے کس دانائی اور راستی سے حکمران خاندان اور عوام کے دلوں کو گرمایا۔ طہ حسین نے ان دونوں مذاہب کے خدو سیدہ لوگوں کی دعوت اور ذاتی کردار کو یمن میں مذاہب کے فروغ کا سبب قرار دیا۔ طہ حسین نے دوسرے مذاہب کی حسن و خوبی کا اعتراف جس انداز سے کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آدمی کی نگاہ سچائی پر جم جاتی ہے، تو پھر اس کے فکر و نظر پر فرقہ وارانہ تعصب کی کوئی پرچھاہی نہیں پڑتی۔ لیکن جب آدمی کی زندگی سے مذہب کی سچی روح غائب ہو جاتی

روایات بھی ہیں جن کو اہل نظر نے کبھی قبول نہیں کیا۔ طلحہ حسین کو اس بات کا احساس ہے چنانچہ انہوں نے یہ کہا: ممکن ہے کہ میری اس کتاب سے بعض لوگ کبیدہ خاطر ہوں اس لئے کہ وہ صرف عقل پر اعتماد کرتے ہیں، اور ان روایات کو قابلِ احترام نہیں جانتے جن پر عقل اعتماد نہیں کرتی۔ لیکن ان لوگوں کو علم ہونا چاہیے کہ عقل ہی سب کچھ نہیں ہے۔ لوگوں کی اور بھی فطری خواہشات ہیں جو عقل کی طرح اپنی غذا اور نشاط کی محتاج ہیں، اگر ان روایات سے عقل مطمئن نہیں ہے یا منطق خوش نہیں ہے یا علم کا اندازہ فکر اسے پسند نہیں کرتا تو نہ سہی لیکن اس بات سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ لوگوں کے جذبات، خیالات شعور ان روایات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اس طرح سے وہ زندگی کی مشکلات اور دکھوں سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لیتے ہیں۔ سو یہ روایات جہاں شرافت کے جذبات کو بیدار کرتی ہیں، شرف و فساد پر تدبیر لگاتی ہیں وہاں زندگی کے مصائب اور اس کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے بھی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔“

یہاں پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ طلحہ حسین ادب کو ایک مستقل وجود کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جہاں وہ ادب کو سیاست یا نئے نظریات کا آلہ کار بنانے کے خلاف ہیں، وہاں وہ اسے واضع یا اعمالیات کا نقیب بھی بنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے کہ حسن و حسن ہے جو بذاتِ خود مطلوب و مقصود ہے۔ طلحہ حسین نے مزید کہا کہ ابوالعلاء معری ان لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے جو یہ کہتے ہیں کہ شہد کی مکھی انسان کے لئے شہد تیار کرتی ہے، وہ شہد خود اپنے لئے تیار کرتی ہے۔ رہا طلحہ حسین کا یہ کہنا کہ سیرت سے متعلق ادب و روایات انسان میں شرافت کے جذبات کو بیدار کرتی ہیں، شرف و فساد پر تدبیر لگاتی ہیں، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ادب ان کے ہاں ایک مستقل وجود رکھتا ہے اور وہ نام ہے حسن و جمال کا تو پھر اس سے لطیف جذبات نہیں تو کیا بد ذوقی اور پستی رواج پائے گی۔ ۷

پہلی جلد ۱۹۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں انہوں نے عبدالمطلب مد رسول کریم کے

۷۔ ادب برائے ادب یا ادب برائے زندگی پر طلحہ حسین نے کافی لکھا، اس سلسلہ میں ان کی ایک مشہور تقریر بیروت میں ہوئی جس کا پورا متن الآداب، مئی ۱۹۵۵ء، بیروت نے اپنے ایک خاص نمبر الآداب والحیاء میں شائع کیا۔

پیغمبر کی حیثیت سے یاد کیا، خود اپنے والدین کو کیسے یاد رکھا۔؟ اس کے بارے میں طلحہ حسین لکھتے ہیں کہ حدیث میں ۶۱ سال (۶۷ھ) مقام صواب سے گذرے تو اپنے پروردگار سے اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی چنانچہ آپ قبر پر گئے اور تھوڑی دیر رکے۔ استغفار کی اجازت مانگی نہ ملی، آپ روتے ہوئے واپس ہوئے، آپ کو دیکھ کر سارے مسلمان بھی رو پڑے۔ فتح مکہ کے وقت مکہ میں ایک جگہ آپ کا گزرا ہوا، آپ قبر پر رک گئے، شاید یہ قبر عبدالمطلب کی تھی، آپ نے یہاں بھی صاحبِ قبر کے لئے استغفار کی اجازت مانگی جو نہ ملی۔ آپ افسردہ واپس ہوئے، روتے، جن پر سارے لوگ رو پڑے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ پہلے اس قدر کبھی نہیں روئے تھے۔ ان واقعات سے رسول کریمؐ کے جذبات کی رقت و لطافت کا بیان مقصود ہے، گردشِ یل و نہار ہوا عطرِ طبعی کی شام، ان میں سے کوئی بھی چیز پیغمبر کے لطیف جذبات پر اثر انداز نہیں ہو سکی، انہیں اپنی ماں سے یا دادا بزرگوار سے جو محبت ہے وہی انہیں ان کی قبر پر لے گئی تھی۔

طلحہ حسین نے پہلی جلد میں عبدالمطلب اور رسول کریمؐ کے بچپن کے تذکرہ میں جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس کی تاثیر سے قاری کا دل و دماغ جھوم جھوم اٹھتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ طلحہ حسین ان واقعات کو پڑھتے وقت خود روئے ہیں اور اس کی چشمِ سخن باری نے اپنے آنسوؤں سے اس کتاب کو رنگین کیا ہے۔ اس لئے اس نے یہاں دوسروں کو بھی دلایا، طلحہ حسین نے اپنے پیشِ لفظ میں یہ درست ہی کہا تھا کہ منطلق اس کے اسلوب کو پسند کرے نہ کرے، البتہ وہ انسانی جذبات و عواطف کو جو تحفہ دے رہے ہیں، اس کی قدر و قیمت سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے۔ جس مقصد کے لئے طلحہ حسین نے کتاب لکھی اس میں وہ کہاں تک کامیاب رہے، اس کا فیصلہ تو پڑھنے والے ہی کریں گے اور وہ بھی دوسری اور تیسری جلد کا جائزہ لینے کے بعد، البتہ ہمارے نزدیک وہ ان لوگوں میں سے یقیناً نہیں ہیں جو خشک منطلق کی سیاہی سے سیرتِ رسولؐ لکھنے بیٹھتے ہیں اور پھر شکوہ کرتے ہیں کہ ان کی کتاب نے ان کی موت سے پہلے ہی دم توڑ دیا ہے۔